© rasailojaraid.com



# فقہ حنفی کی سند

مولانا عبدالمالک صاحب
مرکزی الدعوۃ الاسلامیہ، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

متعدد دوستوں نے مجھ سے کہا کہ غیر مقلد بھائیوں کا ہم ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ تم جو امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہو، کیا کبھی تم نے تحقیق کی ہے کہ یہ مسائل امام ابوحنیفہ نے بتائے بھی ہیں یا نہیں۔ تم تو مسائل فتاویٰ شامی سے لیتے ہو، جس کے مصنف ابن عابدین شامیؒ تیرہویں صدی کے ہیں، اُن کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہے۔ تمہارے مدارس میں فقہ کی کتابوں میں "کنز الدقائق" پڑھائی جاتی ہے، جس کے مصنف "ابوالبرکات نسفیؒ" ہیں۔ ان کی وفات ۷۱۱ھ کی ہے، گویا یہ آٹھویں صدی کے ہیں اور سب سے بڑی اور مشہور کتاب جو آپ کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے وہ ہے "ہدایہ" جو "ابوالحسن مرغینانی" کی ہے، ان کا انتقال ۵۹۲ھ کو ہوا، تو یہ چھٹی صدی کے آدمی ہوئے۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ۱۵۰ھ کو ہوا، تو اب چھٹی، آٹھویں اور تیرہویں صدی کے آدمی اگر بغیر کسی سند کے کہیں "قال ابو حنیفة کذا" تو اس کا کیا اعتبار؟ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مابین سینکڑوں سالوں کا فاصلہ ہے۔ بلا سند ان کی نقل کی بنیاد پر ابوحنیفہ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

پھر آپ جو "ردالمختار" کو ابن عابدین کی کتاب کہتے ہیں "کنز" کو ابوالبرکات نسفی کی اور "ہدایہ" کو ابوالحسن مرغینانی کی، پھر ان کتابوں کے مسائل ان مصنفین کی طرف اور ان کے واسطے سے ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرتے ہیں، ابوحنیفہ تو دور کی بات، خود ان مصنفین تک آپ کی کوئی سند موجود ہے؟

میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ چونکہ بہت سے غیر مقلدین بھائیوں کی طرف سے یہ اعتراض آج کل بہت مشہور کیا جا رہا ہے، بلکہ ان کے شائع کردہ پمفلٹ اور کتابچوں میں بھی اس کا ذکر آنے لگا ہے، اس لئے اس پر ایک مفصل مقالہ آنا چاہئے۔

میں نے ان دوستوں کو زبانی بتا دیا کہ آپ غیر مقلد بھائیوں سے یہ پوچھئے کہ آیا "فقہ حنفی" کی تقلید کرنے میں آپ کے نزدیک وجہ منع یہی ہے کہ اس میں بیان کردہ مسائل امام ابوحنیفہ سے باسند ثابت ہونے میں آپ کو شک ہے اور اگر یہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شک نہ رہے تو آپ ان کی تقلید کو درست کہیں گے، کیا واقعۃً ایسا ہی ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر آپ کو اس اعتراض کا جواب دینا مفید ہوسکتا ہے، اگرچہ غالب گمان یہ ہے کہ آپ کو خود آپ کے اعتراض کا غلط ہونا معلوم ہے، تاہم تبرعاً ہم بھی آپ کو جواب بتاسکتے ہیں۔ اور اگر معاملہ ایسا نہیں، بلکہ یہ سوال محض جنگ وجدال کے لئے ہے تو پھر ایسا سوال ''اغلوطات'' میں شامل ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، اس لئے کم ازکم آپ حضرات کو ایسے سوالات زیب نہیں دیتے۔

میں نے ان دوستوں سے یہ بھی کہا کہ آپ ان سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ بھائی یہ جو ''صحیح بخاری''، ''صحیح مسلم''، ''جامع ترمذی''، ''سنن ابوداؤد''، ''سنن نسائی''، ''مسند احمد'' اور دیگر بہت سی کتب حدیث، جبکہ تفسیروں میں، تفسیر ''ابن کثیر'' ''تفسیر قرطبی'' اور ''تفسیر طبری'' جیسی بہت سی کتب تفسیر، علاوہ ازیں ''تہذیب التہذیب'' اور ''میزان الاعتدال'' وغیرہ اسماء رجال کی کتابوں سے، جو ہم اور آپ ''حدیث، تفسیر اور جرح وتعدیل'' کے اقوال نقل کرتے ہیں، کیا آپ نے کبھی یہ سوال اٹھایا ہے کہ ہمارے اور ان مصنفین کے مابین کیا سند ہے اور وہ سند کیسی ہے؟

لوگ جو ''مشکاۃ المصابیح'' سے حدیث نقل کرکے لکھ دیتے ہیں، ''رواہ البخاری''، ''رواہ ابوداؤد''، ''رواہ البیہقی'' یا آپ جو شیخ البانی کی کتاب دیکھ کر مختلف حدیثوں کے بارے میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور دارقطنی (۳۸۵ھ)، بیہقی (۴۵۸ھ)، ابن حزم (۴۵۶ھ)، ابن عبدالبر (۳۸۵ھ) کا حوالہ دیتے ہیں، کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ صاحب مشکاۃ جو آٹھویں صدی کے ہیں، امام بخاری (۲۵۶ھ) وغیرہ قرنِ ثالث کے محدثین تک ان کی کیا سند ہے؟ یا البانی صاحب جو پندرہویں صدی کے آدمی ہیں، قرنِ ثالث، رابع اور خامس کے ان محدثین تک البانی صاحب کی کیا سند ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ کیا مشکاۃ کی کسی حدیث پر عمل کرنے کے لئے یا البانی صاحب کے کسی حوالے کو تسلیم کرنے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ اُن کی محول الیہ کتابوں کی طرف رجوع کرکے حوالے کی صحت کا جائزہ لینا اور از خود سند کی تحقیق کرلینا ضروری ہے، ورنہ عالم تو دُور کی بات، کسی عامی کے لئے بھی ان کے حوالوں پر اعتماد کرنا درست نہیں، کیا آپ کا یہی اعتقاد ہے؟ اور مشکاۃ میں تو سند نہیں، مگر حوالے موجود ہیں، لیکن ''مصابیح السنۃ'' جو سینکڑوں سال سے امت میں دائر سائر ہے، اور ہر ایک اس میں موجود حدیثیں روایت بھی کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اس میں تو کسی حدیث کے ساتھ نہ حوالہ ہے نہ سند، تو کیا اس کتاب پر اعتماد کرکے حدیث بیان کرنے کا یہ معنی ہے کہ ان حدیثوں کی واقعی میں بھی کوئی سند نہیں ہے؟

میں نے ان دوستوں سے کہا کہ آپ ہمارے ان بھائیوں سے عرض کریں کہ آپ لوگ بے تکے اعتراض اور وسوسے ڈال کر لوگوں کو فقہِ متوارث جو کتاب وسنت کا عملی نقشہ ہے اس سے متنفر کررہے ہیں اور اپنے کو غیر شعوری طور پر منکرین فقہِ اسلامی کی قطار میں شامل کررہے ہیں۔ کیا آپ سوچتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایک اور جماعت بھی بستی ہے جو اپنے کو ''اہل قرآن'' یا اس طرح کے کسی نام سے موسوم کرتی ہے، وہ ٹھیک ان ہی جیسے اعتراضات کو جو آپ ہی کے اسلوب کے مطابق اوپر ذکر کئے گئے ہیں، پیش کرکے لوگوں کو حدیث وسنت سے متنفر کررہے ہیں اور اپنے کو منکرین



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کی قطار میں شامل کررہے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا سوچئے! کہ قرآن کا نام لے کر حدیث کا انکار کرنا اور حدیث کا نام لے کر فقہ کا انکار کرنا ان دونوں میں کون سا فرق ہے؟

ان سب معروضات کے باوجود ان دوستوں کا اصرار رہا کہ اس موضوع پر مثبت انداز سے ذرا تفصیلی لکھا جائے تا کہ ان جیسے بے تکے اعتراضات کو بہانہ بنا کر کسی کو نہ تو حدیث وتفسیر کی مستند ومسلم کتابوں کے بارے میں وسوسہ ڈالنے کی ہمت ہو، اور نہ ہی فقہ اور فتویٰ یا کسی بھی دینی علم وفن کی مسلم ومستند کتابوں کے بارے میں لوگوں کے دل میں وسوسہ ڈالنے کا موقع ملے۔

اس لئے تو کلا علی اللہ اس سلسلے میں چند ضروری اور اصولی معلومات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا وماتوفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ أنیب

**ہر علم وفن کا ایک مسلم اجماعی اصول:** یہ بات کہ فلاں کتاب (مجموعی حیثیت) سے فلاں فن کی مستند کتاب یا مصدر ہے یا نہیں اور جس مصنف کی طرف اس کی نسبت کی جارہی ہے، یہ واقعتاً اُن کی کتاب ہے کہ نہیں۔ اس کی تحقیق وثبوت کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں:

**پہلا طریقہ:** اس فن کے ماہرین کے ہاں وہ کتاب اُس فن کا مستند مصدر شمار ہوتی ہو اور وہ اسے، اُس مصنف ہی کی کتاب قرار دیتے ہوں۔ نیز اُس فن کے مواد کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ گویا اصطلاحی الفاظ میں ''مصنف کی طرف اس کتاب کی نسبت کا مسئلہ تواتر یا کم از کم شہرت کی حد تک پہنچ گیا ہو اور وہ کتاب فن کی متلقی بالقبول کتاب شمار کی جاتی ہو۔''

مذکورہ طریقے سے اگر کسی کتاب کی نسبت ثابت ہو جاتی ہے تو پھر اس بات کی تحقیق کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ ہم سے لے کر مصنف تک کتاب کی کوئی سند ہے یا نہیں اور ہو تو اس سند کی حیثیت کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دینی علوم وفنون کی مشہور ومعروف کتابوں کا اسنادی سلسلہ اب بھی محفوظ ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گا۔ البتہ ان کتابوں کی استناد کا معاملہ صرف ان سندوں پر موقوف نہیں بلکہ یہاں سند سے بڑھ کر قطعی دلیل موجود ہے اور وہ ہے ان کتابوں کا متلقی بالقبول ہونا اور اُن کے مصنفین تک ان کی نسبت کا تواتر یا شہرت کی حد تک پہنچ جانا۔

ہاں اس صورت میں ایک کام صرف یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کتاب کے جس نسخے سے ہم مواد نقل کرنا چاہتے ہیں چاہے وہ مطبوع ہو یا مخطوط، اس نسخے کی صحت کا اطمینان کرلینا ضروری ہے اور یہ بات کہ نسخے کی صحت کیسے ثابت ہوتی ہے اس کے لئے بھی اہل علم کے ہاں مستقل اصول وضوابط موجود ہیں۔ عوام اور طلبہ کے لئے اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ نسخہ متعلقہ فن کے ماہرین کے درمیان دائر وسائر ہو، جسے وہ مجموعی حیثیت سے مستند نسخہ سمجھتے ہوں۔

**دوسرا طریقہ:** دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے تک اس کتاب کی سند متصل محفوظ ہو کہ مصنف سے وہ کتاب، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے شاگردوں نے براہ راست سن کر یا پڑھ کر یا اجازت لے کر حاصل کی ہو۔ پھر یہ سلسلہ ہمارے زمانے تک تسلسل کے ساتھ جاری ہو۔ نسخے کی صحت کا اطمینان حاصل کرلینا اس صورت میں بھی ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ مضبوط اور زیادہ مستند طریقہ پہلا طریقہ ہے اس لئے ائمہ حدیث، ائمہ فقہ اور ائمہ اصول فقہ، غرض ہر فریق کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اول الذکر طریقہ سے کتاب کی نسبت اور اس کا مستند ہونا ثابت ہو جائے تو پھر مصنف کتاب تک سند متصل کا مطالبہ کرنا یا اس کتاب سے کسی حدیث یا مسئلہ کو یا کوئی مواد نقل کرنے کو وجودِ اسناد پر موقوف سمجھنا سراسر غلط ہے۔ اہل علم کے ہاں تو مذکورہ قاعدہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ وہ ہر علم وفن کا ایک مسلم اور اجماعی قاعدہ ہے۔ میں یہاں قارئین کی ضیافت طبع کے لئے صرف چار اماموں کی بات ذکر کروں گا:

(۱)...... امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ: جو صحیح بخاری کی سب سے بہترین اور سب سے مستند ترین شرح ''فتح الباری'' کے مصنف ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے: ''جو کتاب اپنی شہرت کی وجہ سے ہم سے لے کر مصنف کتاب تک سند کا اعتبار کرنے سے مستغنی ہو، تو وہ اپنی نسبت کے صحیح ہونے میں بھی ہم سے لے کر مصنف کتاب تک ''رجال اسناد'' کا اعتبار کرنے کی حاجت نہیں رکھتی۔'' (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ج۱ص۲۷۱)

(۲)...... امام ابواسحاق اسفرائینی (۴۱۸ھ): جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے ''حکی الأستاذ أبو اسحاق الاسفرائینی الاجماع علی جواز النقل من الکتب المعتمدة، ولا یشترط اتصال السند الی مصنفها، وذالك شامل لکتب الحدیث والفقه''، یعنی امام ابواسحاق اسفرائینی نے اس بات پر سارے اماموں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جن کتابوں پر اہل فن کو اعتماد حاصل ہے، ایسی کتابوں سے نقل کرنا درست ہے۔ اس کے لئے ان مصنفین تک سند کا اتصال ضروری نہیں، یہ حکم حدیث وفقہ دونوں ہی کی کتابوں کے بارے میں یکساں ہے۔ (تدریب الراوی: ج۱ص۱۵۱)

(۳)...... امام عزالدین ابن عبدالسلامؒ (۶۶۰ھ): جو فقہ وحدیث اور تفسیر کے علاوہ دیگر بہت سے فنون میں بھی امامت کا درجہ رکھتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے: ''فقہ کی مشہور کتابیں جن کے صحیح اور مستند نسخے موجود ہیں ان پر اعتماد کرنے پر علماء کا اتفاق ہے چونکہ روایت (متصل سند) سے جو وثوق حاصل ہوتا ہے وہ وثوق یہاں بھی حاصل ہے (بلکہ اس سے بڑھ کر حاصل ہے) اسی لئے تو لوگ نحو، لغت، طب اور دوسرے سب علوم وفنون کی مشہور کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں (اور ان سے لے کر مصنفین تک اسناد وروایت کے سلسلے کی کھوج نہیں لگاتے) اب جو یہ سوچے سارے لوگ غلط طریقے پر متفق ہو گئے تو دراصل وہ خود ہی غلطی پر ہونے کا زیادہ حق دار ہے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ کسی مشہور اور صحیح نسخے والی کتاب سے نقل کرنے کے لئے مصنف تک متصل سند ہونا ضروری ہے وہ اجماع کی مخالفت کرتا ہے۔ (تدریب الراوی، سیوطیؒ ج۱ص۱۵۲، الأجوبة الفاضلة، عبدالحی لکھنویؒ: ص۹۰-۶۴، توجیہ النظر، طاہر الجزائری ج۲ص۷۶۵-۷۷۲)


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴)......امام ابن الھمامؒ (۸۶۱ھ): جو حدیث، فقہ اور اصول کے معروف امام گزرے ہیں، انہوں نے اپنی عظیم الشان کتاب ''فتح القدیر'' ج ا ص ۳۶۰ میں لکھا ہے:

''امام مذہب سے کوئی مسئلہ نقل کرنا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس امام سے وہ مسئلہ باسند نقل کیا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ فقہ کی کسی متداول کتاب (یعنی ایسی کتاب جو اہل فن کے مابین دائر وسائر ہو) سے لیا جائے، جیسا کہ امام محمدؒ کی کتابیں۔ اسی طرح دوسرے مجتہدین کی مشہور کتابیں، کیونکہ یہ کتابیں شہرت اور تلقی کی وجہ سے خبر متواتر کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

امام ابوبکر رازی الجصاص نے بھی اپنی کتاب ''الفصول فی الاصول'' (ج ۳ ص ۱۹۲،) میں اس کی تصریح کی ہے۔

اس کے بعد ابن الھمام نے لکھا ہے کہ ''مرغینانی (م ۵۹۶) کی الھدایہ اور سرخسی (۴۸۶ھ) کی المبسوط ان ہی معروف ومتداول کتابوں میں شامل ہیں۔''

اس مسلم اصول کی روشنی میں قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ حدیث میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، موطا مالک، طحاوی شریف، دارقطنی، ابن عبدالبر کی ''تمہید واستذکار'' بیہقی شریف، مصابیح السنۃ بغوی اور دیگر کتب حدیث۔

تفسیر میں قرطبی، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی اور تفسیر طبری ودیگر کتب تفسیر۔

تہذیب التھذیب، میزان الاعتدال، تہذیب الکمال اور دیگر کتب اسماء رجال۔

ایسے ہی ہدایہ، مبسوط، بدائع الصنائع، شرح وقایہ، کنز الدقائق، الدر المختار، ردالمحتار (فتاوی شامی) فتاوی عالمگیریہ اور دیگر کتب فقہ وفتویٰ جو اپنے اپنے فن میں اس فن کے ماہرین کے درمیان دائر وسائر اور متلقی بالقبول ہیں اُن سے حدیث، تفسیر یا کوئی فقہی مسئلہ نقل کرنے کے لئے ان مصنفین تک ہماری کیا سند ہے اور کیسی ہے، اس کی تحقیق کی نہ ضرورت ہے اور نہ اس کا مطالبہ درست ہے۔ کیونکہ اہل فن کے مابین ان کا متلقی بالقبول ہونا ہی ان کے مستند ہونے اور ہر ایک کی نسبت اس کے مصنف کی طرف صحیح ہونے کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ آخر جو چیز تواتر واجماع سے ثابت ہو، اس کے لئے دوسری کوئی دلیل تلاش ہی کیوں کی جائے اور وہ بھی ایسی ایک سند سے جو اگر صحیح اور متصل ہو بھی تو زیادہ سے زیادہ ''خبر واحد'' کے قبیل سے ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ ان مشہور کتابوں کی ہم سے لے کر ان کے مصنفین تک صحیح سندیں الحمدللہ موجود ہیں اور برائے نمونہ مقالہ کے آخر میں ایک سند ذکر کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

**سند کا دوسرا مرحلہ:** اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ صاحب ہدایہ اور صاحب کنز وغیرہ کو ائمہ مذہب امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد ابن الحسن الشیبانیؒ وغیرہم کے بیان کردہ مسائل کیسے ملے اور کہاں سے دستیاب ہوئے۔ مذکورہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریر کو سامنے رکھا جائے تو اس کا جواب بھی حل ہو جاتا ہے۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے درج ذیل نکات عرض کئے جاتے ہیں:

(۱)......جو حضرات تحقیق کی اہلیت نہیں رکھتے اُن کے لئے تو اتنی بات ہی کافی ہے کہ جب یہ کتابیں مستند ہیں تو ان کتابوں میں جو باتیں ائمہ فقہ کی طرف منسوب کی گئیں ہیں وہ تحقیق کے بعد ہی کی گئی ہیں، اس لئے وہ نسبت درست ہے۔ اگر کہیں دو ایک مسئلے میں ائمہ کے مسلک بیان کرتے وقت کوئی غلطی لگ گئی ہو تو شروح وحواشی اور بعد کی کتابوں میں اُن کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو مدرسین فقہ اور ذمہ داران دار الافتاء کو معلوم ہو جاتی ہیں، اس لئے عوام کو اس بارے میں پریشان ہونے یا انہیں پریشان کئے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲)......ایک ہے سند کا مذکور نہ ہونا، اور دوسرا یہ ہے کہ سند کا سرے سے وجود ہی نہ ہونا ان دونوں باتوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے، تعجب ہے کہ ہمارے غیر مقلد احباب اسے بھی نظر انداز کر جاتے ہیں، جب قدوری، شرح وقایۃ اور کنز وغیرہ میں، مسائل کے ساتھ ائمہ مذہب تک ان کی سندیں لکھی ہوئی نہیں دیکھ پاتے تو بس شور مچا دیتے ہیں کہ یہ سب مسائل بلا سند ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ''مصابیح السنۃ'' (جو محی السنہ بغوی کی تدوین کردہ مشہور کتاب حدیث ہے جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے) کی حدیثوں کو محض اس لئے بلا سند کہہ دے کہ مصابیح میں ان کی سندیں مذکور نہیں، حالانکہ مصابیح میں اگر چہ ان کی سندیں نہیں ہیں، مگر مصابیح کی حدیثیں جن بنیادی مصادرِ حدیث سے علامہ بغویؒ نے نقل کی ہیں وہاں تو ہر حدیث کے ساتھ اس کی سندیں موجود ہیں تو کسی خاص کتاب میں اگر عوام کے لئے، حفظ کی سہولت کے پیش نظر، اختصاراً سند ذکر نہیں کی گئی تو اس سے کیسے آپ یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ان کی سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے، خدا کے بندو! تم سند کے مذکور نہ ہونے اور سند کے موجود نہ ہونے کے درمیان فرق بھی نہیں سمجھتے۔ یا للعجب!!

مختصر القدوری، کنز الدقائق، الوقایۃ اور فقہ حنفی کے دیگر متون اور مختصرات جو حفظ اور درس کی سہولت کی خاطر مدارس میں داخل نصاب تھیں اور بہت سی اب بھی ہیں، ان کی حالت یہ ہی ہے کہ ان میں اختصار کے لئے سندیں ذکر نہیں کی گئیں، حالانکہ ان میں سے ہر مسئلہ کی ائمہ احناف (بالخصوص امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی) تک سند، فقہ کی بنیادی کتابوں اور مفصل کتابوں میں مذکور ہیں جو ''متون'' کی شروح کے طور پر لکھی گئی ہیں۔

قدوری، کنز وغیرہ جنہیں متون یا مختصرات کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے ان کتابوں کی وضع ہی اس لئے ہوئی ہے کہ ان میں صرف وہی مسائل اختصار کے ساتھ ذکر کئے جائیں جو امام محمد ابن الحسن الشیبانی کی مشہور و معروف چھ کتابوں میں مذکور ہیں جو ہر دور کے ماہرین فقہ وفتویٰ، یہاں تک کہ دیگر فقہی مذاہب کے فقہ ومحدثین کے ہاں بھی فقہ حنفی کے متلقی بالقبول مصادر کے طور پر مسلم ہیں، وہ چھ کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱)......کتاب الاصل: جس کا دوسرا نام ''المبسوط'' ہے۔ اس کا بڑا حصہ چھپا ہوا موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)......الجامع الصغیر: (۳) الجامع الکبیر: یہ دونوں بھی مکمل چھپی ہوئی ہیں۔

(۴)......السیر الکبیر: یہ اس کی شرح "شرح السیر الکبیر" للسرخسی (م۴۸۲) کے ضمن میں چھپی ہوئی ہے۔

(۵)......السیر الصغیر:

(۶)......الزیادات: یہ اس کی شرح، شرح الزیادات، لقاضی خان (۵۹۳ھ) کے ضمن میں چھپی ہوئی ہے۔

ہمارے غیر مقلدین بھائی اگر "الجامع الصغیر" کی ذرا ورق گردانی بھی کر لیتے تو دیکھ لیتے کہ اس کے ہر مسئلے کے شروع میں امام محمدؒ نے سند ذکر کی ہے، اس کتاب کے سب ہی مسائل ایسے ہیں جو امام محمدؒ نے امام ابو یوسف سے سُنے ہیں اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے سُنے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلہ کے شروع میں ہے: محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ مذکور ہے۔

یعقوب امام ابو یوسف ہی کا نام ہے اور ابو یوسف ان کی کنیت ہے اور وہ اپنی کنیت ہی کے ساتھ وہ معروف ہیں۔

باقی رہی قدوری تو اس میں الجامع الصغیر سے جو زائد مسائل ہیں وہ امام محمدؒ کی دوسری پانچ کتابوں سے منقول ہیں، اگر اتفاقاً کوئی مسئلہ کسی اور کتاب سے نقل کیا بھی گیا ہو تو ہدایہ یا اس کے شروح میں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

(۳)......آج ہمارے بھائی یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ ان مسائل کی سند ہے یا نہیں۔ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ صرف "سند" ہی نہیں بلکہ سند و ثبوت کی تحقیق کے علاوہ فقہائے حنفیہ (جنہیں اصطلاح میں مجتہدین فی المذہب، اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح کہا جاتا ہے) نے استخراج کیا ہے۔ پھر جو منقول ہیں وہ صراحۃً منقول ہیں یا اجمالاً، اجمالاً منقول ہیں تو اس اجمال کی شرح بعد کے کس فقیہ نے کی ہے؟ مزید یہ کہ منقول مسائل کا طریقۂ نقل کیا ہے، کون سے مسائل متواتر یا مشہور طریقے سے مشہور ہیں، اور کون سے خبر واحد کے طریقے سے؟ اور مستخرج مسائل میں کون سا مسئلہ کس کا استخراج ہے اور کون سا استخراج متلقی بالقبول ہوا ہے اور کس استخراج پر کلام ہوا؟ یہ سب باتیں فقہاء نے تحقیق کی ہیں اور یہیں سے "ظاہر الروایۃ" اور "نادر الروایۃ" اور "فتاوی المشائخ" جیسی بہت سی اصطلاحات پیدا ہوئیں۔

فقہاء کی محنتیں الحمد للہ ضائع نہیں ہوئیں بلکہ آج بھی فقہ کی وہ مفصل کتابیں جنہیں "الشروح" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے، اُن میں اس نوع کی کافی تحقیقات موجود ہیں۔ انہی نوع کی کتابوں میں "المبسوط شمس الائمہ سرخسی" (۴۸۳ھ) "بدائع الصنائع الکاسانی (م۔۵۸۷ھ)"، "فتح القدیر، شرح الہدایۃ، ابن الہمام (م۸۶۱ھ) شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۳۰۵۔۳۷۰ھ)، شرح مختصر السرخسی، القدوری (م۔۴۲۸ھ)، شرح الجامع الصغیر، شرح الجامع الکبیر للجصاص ایضاً اور دیگر بے شمار کتابیں۔

اول الذکر چار کتابیں چھپی ہوئی ہیں اور آخر تین کتابیں استنبول کے مختلف کتب خانوں میں مخطوط موجود ہیں، جبکہ آخری کتاب کا ایک مصورۃ نسخہ (دار الکتب الحصر یہ قاہرہ کے مخطوط نسخے کی فوٹو کاپی) مرکز الدعوۃ اسلامیہ ڈھاکہ کے کتب خانے میں الحمد للہ موجود ہے۔

اور فقہ حنفی کی بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ جن میں قارئین کی سہولت کے لئے ہر نوع کے مسائل کو الگ الگ فصل سے


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذکر کیا گیا ہے۔امام رضی الدین السرخسی (م۔۵۷۱ھ) کی ''المحیط الرضوی'' اسی نوع کی کتاب ہے، اس میں ہر فقہی باب میں ترتیب وار پہلے ظاہر الروایۃ کے مسائل، اس کے بعد الگ فصل میں نادر الروایۃ کے مسائل اور سب سے آخر میں مستقل فصل میں فتاویٰ المشائخ کے مسائل مذکور ہیں۔اس عظیم الشان کتاب کا مخطوط حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ ہمارے غیر مقلد بھائیوں کی طرف سے فقہ حنفی کے مسائل کی سند کے بارے میں اٹھائے گئے اعتراض یا شبہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، ان خام خیالیوں کا اصل منشاء اس نبوی ہدایت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے، جو حدیث شریف میں ان الفاظ سے آئی ہے:

''ألا سألوا اذلم یعلموا، انماشفاء العي السؤال'' (سنن ابوداؤد، حدیث: ۳۳۶)

**فقہ حنفی کی سند کا تیسرا اور سب سے اہم مرحلہ:** فقہ حنفی کی سند کے سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ ان مسائل میں ائمہ احناف کی سند کیا ہے، یعنی ائمہ حنفیہ نے یہ مسائل ان سے پہلے کے فقہا صحابہؓ وفقہاء تابعین سے لئے ہیں تو ان حضرات تک ان کی کیا سند ہے، وہ سند کہاں ملے گی؟ جو مسائل انہوں نے پہلے کے فقہا سے لئے اور جو انہوں نے استنباط کئے، دونوں نوع کے مسائل کے ماخذ کیا کیا ہیں؟ دلائل شریعت بالخصوص ''قرآن مجید'' اور ''سنت نبویہ'' اور حدیث شریف کے ساتھ ان کی مطابقت کس حد تک ہے کہ فقہ اسلامی کی دوسری مسلم تدوینوں کی طرح فقہ حنفی نامی تدوین بھی قرآن وسنت اور دیگر دلائل شریعت سے اجنبی کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ قرآن وسنت کی شارح اور ان کے احکام سے مرتب ومدون ہے۔اور ان کے رہنما قواعد کی روشنی میں غیر منصوص علیہ مسائل کے حل پیش کرنے والی ہے۔اور الحمدللہ مجموعی حیثیت سے دیگر تدوینوں کی طرح یہی تدوین دلائل کے بارے میں شریعت کا مسلمہ قاعدہ: ''علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین'' پر سب سے زیادہ عمل کرنے والی ہے، شاید اسی لئے ہر دور میں سب تدوینوں کی بہ نسبت اس کو تلقی بالقبول اور اس پر عمل زیادہ رہا۔اور بے انتہا کوششوں اور پروپیگنڈوں کے باوجود اس دور میں بھی اسی فقہ کی مقبولیت زیادہ ہے۔

**فقہ حنفی کی سند کا ایک نمونہ ہم سے لے کر ائمہ مذہب تک:** جیسا کہ میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ الحمدللہ فقہ حنفی کی معروف ومتداول کتابیں جن کا شمار فقہ حنفی کے بنیادی مصادر میں ہوتا ہے، ان میں سے ہر کتاب کے مصنف تک ہماری سندوں کا سلسلہ الحمدللہ اب بھی محفوظ ہے اور پھر ان مصنفین کے واسطے سے مذہب کے اول مدونین امام ابوحنیفہ اور ان کے کبار اصحاب تک کا سلسلۂ سند محفوظ ہونے کے بارے میں تو فقہ اسلامی کی تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والے کو بھی شک نہیں ہوسکتا۔باقی سوچے سمجھے بغیر، محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی نہ مانے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برائے نمونہ صرف ایک ہی سند یہاں ذکر کردوں۔

**تیسرا مرحلہ:** میں نے عرض کیا تھا کہ فقہ حنفی کی سند۔کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود فقہ حنفی کے اماموں کو



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ فقہ کہاں سے ملی، وہ تو فقہ کے مدون ہیں، مخترع نہیں۔ پھر یہ فقہ ان کے پاس کہاں سے اور کیسے آئی؟

فقہ کے ایک حصے میں وہ مستخرج و مستنبط ضرور ہیں لیکن محدث ہرگز نہیں۔ اس حصہ کے بارے میں بھی سوال یہ ہے کہ انہوں نے اس کا استخراج واستنباط کیسے اور کہاں سے کیا؟

ان سوالوں کے جوابات سمجھنے کے لئے فقہ اسلامی کی حقیقت اور اس کی تاریخ کے بارے میں کافی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے اور اس پر عمدہ کتابیں بھی تصنیف ہوئی ہیں۔ ان میں سب سے مفصل اور متزن کتاب میرے علم کے مطابق علامہ محمد ابن الحسن الحجوی کی (م۔۱۳۸۶ھ) کی ''الفکر السامي في تاريخ الفقه الاسلامی'' ہے اور اردو میں استاذ محترم علامہ خالد محمود دامت برکاتہم کی کتاب ''آثار التشریع الاسلامی'' مجموعی لحاظ سے بہت ہی بلند پایہ کتاب ہے۔ اس وقت میں چند مختصر معروضات پر ہی اکتفا کروں گا:

(۱)...... مورخ اسلام، امام شمس الدین الذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ) نے فرمایا:

''کوفہ میں جو صحابہؓ کرام موجود تھے ان میں سب سے بڑے فقیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے شاگردوں میں سب سے بڑی فقیہ علقمہ (م۶۲ھ) ہیں۔ علقمہ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم النخعی (م۹۵ھ) ہیں۔ ان کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ حماد ابن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) ہیں۔ حماد کے شاگردوں میں سب سے بڑی فقیہ ابوحنیفہ (۸۰ھ-۱۵۰ھ) ہیں، ان کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابو یوسف (م-۱۸۳ھ) ہیں۔ ابو یوسف کے شاگرد اطراف عالم میں اشاعت دین وعلم دین کے لئے منتشر ہو گئے۔ جن میں سب سے بڑے فقیہہ محمد ابن الحسن (۱۳۲ھ-۱۸۹ھ) تھے اور ان کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابوعبداللہ الشافعی، محمد ابن ادریس امام مذہب شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۳ھ) ہیں۔ ''رحمہم اللہ تعالیٰ'' (سیر اعلام النبلاء: ج۵ص ۲۳۶ ترجمہ حماد ابن ابی سلیمان)

یہاں امام ذہبیؒ نے سند کا ایک ہی سلسلہ پیش کیا۔ حاصل یہ ہے کہ فقہ وفتویٰ اور اس کی اساس قرآن وسنت کا علم ہے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فقہاء صحابہؓ نے کیا۔ ان میں سے ایک دو شخص یا ایک ایک جماعت، ایک ایک اسلامی شہر میں ہوتے تھے اور اس علاقے کے لوگ ان سے دین وایمان، قرآن وسنت اور فقہ وفتویٰ سیکھتے تھے ان میں ایک جماعت ایسی ہوتی تھی جو ''فقیہ'' کے مقام تک پہنچ جاتے اور فقہاء تابعین کہلاتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنے علاقے کے مقتدیٰ ہوتے تھے اور ان کی وہاں تقلید ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ فقہ کے مشہور اماموں تک چلتا رہا جو فقہ کے مدونین تھے، اور جن کی تدوین کردہ فقہ پر امت اب تک عمل کرتی آرہی ہے، امام ابن القیمؒ نے اس تاریخ کو ''اعلام الموقعین'' کے شروع میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور شمس الدین ذہبیؒ نے بھی اختصار کے ساتھ ''سیر اعلام النبلاء'' (ج ۸ص ۹۱-۹۲، وج۹ص ۵۲۵) میں دور صحابہ سے لے کر امام ابن جریر طبری (م-۳۱۰ھ) اور امام طحاوی (۲۳۹-۳۲۱ھ)


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دور تک کے مشہور سے مشہور تر ائمہ مجتہدین جو فقہاء اسلام تھے، کی مختصر فہرست پیش فرمائی ہے۔ (ج ۸ ص ۹۱) میں ان کا بیان ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

"فالمقلدون صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم، بشرط ثبوت الاسناد اليهم، ثم ائمة التابعين......"

گویا ان کی فہرست میں مذکورہ دور بدور کے فقہاء وہ حضرات تھے جن کی اپنے اپنے زمانے میں اور اپنے اپنے علاقے میں تقلید ہوتی تھی اور آج بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی تقلید کی جاتی ہے۔

(۲)......الغرض فقہ اسلامی (جس کی سب سے قدیم اور سب سے زیادہ متلقی بالقبول تدوین فقہ حنفی ہے) کسی خاص دور یا کسی خاص شخص کی ایجاد نہیں، بلکہ یہ عہد رسالت سے اسی تسلسل کے ساتھ منقول ہوتی چلی آئی ہے، جس تسلسل سے اس فقہ کا اساس اور پورے دین کا اساس قرآن وسنت منقول ہوتا چلا آرہا ہے۔

(۳)......مؤرخ ذہبیؒ نے بطورِ نمونہ ایک ہی سند ذکر کی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ وفتویٰ اور قرآن وسنت کا علم سینکڑوں اساتذہ سے حاصل کیا ہے، جن میں ایک سے زائد صحابی بھی ہیں۔ جبکہ ان کی اکثریت تابعین اور بہت سے تبع تابعین ہیں، ان سینکڑوں افراد میں ایک بڑی جماعت ان حضرات کی ہے جو قرآن وسنت کے ماہر اور فقہ وفتویٰ کے امام تھے، اسی لئے وہ اپنے اپنے علاقے میں قوم کے مقتدیٰ ومقلد تھے، محدث محمد ابن یوسف الصالحی نے (م ۹۴۲ھ) جو مسلکاً شافعی تھے، امام ابوحنیفہ کے مناقب وفضائل پر تصنیف کردہ اپنی کتاب "عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان" میں امام صاحب کے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت کا اجمالاً ذکر کیا ہے جو مذکورہ کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱)......امام ابوحنیفہؒ کے پاس کتنے صحابیوں کے واسطے سے قرآن وسنت اور فقہ وفتویٰ کا علم پہنچا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ کوفہ جو امام ابوحنیفہؒ کا وطن ہے اور جہاں انہوں نے اپنی علمی زندگی کا اکثر حصہ گزارا، وہاں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے بود وباش اختیار کی۔

امام قتادۃؒ (۶۱ھ-۱۱۷ھ) کا بیان ہے کہ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس افراد اور ۲۴ وہ صحابہ کہ جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، کوفہ میں آکر فروکش ہوئے تھے۔ (کتاب الکنی والاسماء، دولابی: ج ا ص ۱۸۷)

امام ابوالحسن عجلی (م ۲۶۱ھ) جو فن رجال میں امام احمد بن حنبل، اور امام یحییٰ بن معین کے ہم عصر شمار کئے جاتے ہیں، اپنی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ تعداد بتاتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ آکر اترے۔ (فتح القدیر ابن الہمام)

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ (۱۳۳۳ھ-۱۴۲۰ھ) مذکورہ حوالہ ذکر کر کے لکھتے ہیں: "صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علمائے کوفہ کے شوق طلب کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے تھے اور وہاں کے اکابر صحابہ کے فیض علمی


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے متمتع ہوتے رہتے تھے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ "منہاج السنۃ" میں فرماتے ہیں:

"ابوعبدالرحمٰن سلمی اور دیگر علماء کوفہ جیسے کہ "علقمہ، اسود، حارث لیثی، زرابن حبیش، کہ جن کے پاس عاصم بن ابی النجود (قراء سبع میں سے ایک معروف شخصیت) نے قرآن پاک کی قراءت کی ہے ان سب لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سیکھا ہے (یعنی قرآن کی تلاوت، اس کے معنی اور اس کے احکام وہدایات سیکھے تھے) نیز یہ لوگ مدینہ طیبہ جاکر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے علم کی تحصیل کیا کرتے تھے بلکہ ان حضرات نے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے جتنا علم اخذ کیا، اتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ سے یمن میں حاصل کی تھی۔ (منہاج السنۃ النبویۃ: ج۴ص۱۴۲)

بہر حال علماء کوفہ کے اسفار کا مسئلہ الگ رہا یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ جو بنص حدیث "باب مدینۃ العلم" تھے ان کا بیشتر علم، کوفہ ہی میں تھا، وہاں ان کا چار سال قیام رہا۔

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "مگر اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن وسنت کا علم رکھتے تھے۔" (منہاج السنۃ: ج۳ص۱۳۹)

مزید فرمایا: "کوفہ کے لوگ ایمان، قرآن، تفسیر قرآن، فقہ وسنت کا علم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔ جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لے گئے تو اہل کوفہ آپ کے وہاں آنے سے پیشتر حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت عمار، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ کیا تھا، دین حاصل کر چکے تھے۔" (منہاج السنۃ: ج۴ص۱۴۴، ۱۵۷ھ، ابن ماجہ اور علم حدیث: ص۳۷)

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کوفہ قرآن وسنت کے علم کا اتنا بڑا گہوارہ اور فقہ وحدیث کا اتنا بڑا معدن ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہؒ نے یہاں کے علوم پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دیگر اسلامی شہروں کے صحابیوں کا علم، جس کا کوئی حصہ ممکن ہے کہ کوفہ نہیں پہنچا ہو حاصل کرنے کے لئے علمی سفر کا خاص اہتمام کیا۔

چنانچہ امام نضر ابن محمد مروزی جو امام صاحب کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی شخص کو حدیث سے اعتناء کرنے والا نہیں دیکھا، ایک دفعہ ہمارے پاس یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروق اور سعید بن ابی عروبۃ آئے تو امام ابوحنیفہ ہم سے فرمانے لگے کہ دیکھو تو ان لوگوں کے پاس تمہیں کوئی ایسی چیز بھی ملتی ہے کہ جس کا ہم بھی سماع کریں۔ (الجواہر المضیہ، عبدالقادر قرشی: ج۳ص۵۵۶، موسسۃ الرسالۃ)

جاری ہے



© rasailojaraid.com